آئے ہوئے ہیں۔

آپ نے فرمایا — ہاں!

اُس شخص نے درخواست کی وہ وہاں سے چلے جائیں تو بہتر ہے۔ جواب ملا — جو میرے اُٹھنے کا وقت ہے اس سے پہلے تو میں یہاں سے نہ جاؤں گا۔

اُس شخص نے کہا — اچھا تو پھر چلیے امیر المومنین کو سلام کر لیجیے!

دو ٹوک جواب ملا — میں خود اُٹھ کر ان کے سلام کو جانے کا نہیں — وہ آ جائیں تو اور بات ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی کوششیں کام نہ آئیں اور گھومتے پھرتے میں ولید کی نظر ان کی طرف اُٹھ ہی گئی — پوچھا — یہ کون بیٹھے ہیں؟ — سعید بن مسیّب تو نہیں!

جواب دیا گیا — ہاں وہی ہیں! آنکھوں سے کم دکھائی دیتا ہے اور غالباً انہیں یہ معلوم نہیں کہ آپ یہاں ہیں۔ ورنہ ضرور سلام کو حاضر ہوتے۔ بات بنانے کی کوشش کی گئی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

ولید نے کہا — اچھا ہم خود ان کے پاس جائیں گے اور سلام کریں گے۔ قریب آ کر مزاج پرسی کی۔

درویشِ خدا مست اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ سلام کا جواب سلام سے دیا۔ خیریت کے جواب میں خیریت پوچھی پھر ایک نہ دو! ولید آگے بڑھ گیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز دم سادھے ساتھ تھے۔ ولید نے کہا — پرہیزگار بزرگوں کا یہی ایک نمونہ باقی رہ گئے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اطمینان کا سانس لیا۔ جواب دیا — آپ بالکل سچ کہتے ہیں۔ ؎ نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

اسلامی قانون سازی کا اہم ترین مسئلہ

جناب محمد امین صاحب - ریاض، سعودی عرب

(۲)

اب ہم اس امر پر غور کریں گے کہ یہ ادارہ کیسا ہونا چاہیے اور اسے کیسے وجود میں لایا جائے؟

اُوپر کے تجزیے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مسئلے کے حل کے لیے کسی مشاورتی ادارے کا قیام سُودمند نہیں کیونکہ اصحابِ اقتدار اسے کوئی وزن نہیں دیں گے اور موجودہ ہیئت کی اسمبلی (خواہ اس کا نام مجلس شوریٰ ہی رکھ دیا جائے —— اور صرف نام بدلنے سے فرق ہی کیا پڑتا ہے اگر اس کی حقیقت نہ بدلے بلکہ اُلٹا اسلامی مصطلحات بدنام ہوں گی) یا اسمبلیاں اس کی اہلیت ہی نہیں رکھتیں اور نہ اس چیز کا امکان نظر آتا ہے کہ مستقبل قریب میں علماء اور اسلامی ذہن رکھنے والے لوگ ان اسمبلیوں میں اتنی کثرت سے آجائیں گے کہ وہ قانون سازی کو اسلامی رُخ دے سکیں گے۔ تو پھر اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ نظری طور پر اس کا سیدھا سادھا حل یہ ہے کہ قومی اسمبلی کا انتخاب اس طرح کروایا جائے کہ اس میں علماء اور اسلامی سکالرز کی ایک معقول تعداد پہنچے اور پھر اسمبلی میں ان پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی جائے اور قانون سازی کے متعلق سارا اختیار اس کو دے دیا جائے۔ کیونکہ یہ لوگ منتخب ہوں گے لہٰذا ان کی نمائندہ حیثیت کو چیلنج نہ کیا جا سکے گا اور چونکہ وہ اہلِ علم میں سے ہوں گے

لہٰذا ان کے فیصلوں پر لوگوں کو اعتماد بھی ہوگا۔

جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے کہ اس کمیٹی کو اتنا با اختیار کیوں بنایا جائے اور یہ جمہوری سپرٹ کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً یہ مغربی جمہوریت کے مطابق نہیں ہے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے، اور آخر ہم پر کس نے فرض کیا ہے کہ مغربی جمہوریت کی اندھی تقلید کریں، ہم تو صرف اس چیز کے مکلف ہیں کہ اسلامی شریعت کا اتباع کریں اور جن چیزوں میں شریعت نے صریح حکم نہ دیا ہو وہاں وہ راستہ اختیار کریں جو شریعت کے احکام کے مطابق اور اس کے مزاج کے قریب تر ہو اور جو اس کے مقاصد کو پورا کرتا ہو، نہ کہ اندھا دھند غیر اسلامی افکار اور اداروں کی پیروی کریں۔ آپ اسلامی تاریخ اٹھا کر دیکھیے اور خلافتِ راشدہ کے زمانے میں جو شوریٰ تھی اس کا جائزہ لیجیے۔ وہاں شوریٰ دو بڑے حلقوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ اس میں جہاں ایک طرف قبیلوں کے سربراہان اور علاقوں کے معززین ہوتے تھے وہیں ان میں ایک جماعت علومِ قرآن و حدیث اور فقہ کے ماہر صحابہؓ پر مشتمل ہوتی تھی۔ عام امورِ سلطنت میں ساری شوریٰ سے مشورہ کیا جاتا تھا، لیکن دقیق فنی مسائل میں انھی ماہرین اور متخصصین سے رائے لی جاتی تھی اور انھی کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا جاتا تھا[1] خلافتِ راشدہ کے عہد سے اس کی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں مثلاً قضیہ ارضِ سواد یا خراجی زمینوں اور طاعون عمواس کا مسئلہ وغیرہ۔ تو خلفائے راشدین کے طریقے کی پیروی کی آج یہی صورت ہے کہ شوریٰ میں معززین اور دوسرے طبقوں کے نمائندوں کے علاوہ علماء اور سکالرز بھی ہوں عام امورِ سلطنت میں ساری شوریٰ فیصلہ کرے لیکن جہاں قانونی اور فقہی مسائل

---

[1] شیخ ذکریا البری، مبدأ الحریۃ فی الاسلام، مجلہ، عالم الفکر، الکویت، شمارہ جنوری، مارچ ۱۹۷۱ء، صفحہ ۱۳۱

— ڈاکٹر محمد یعقوب الطیبی، مبدأ الشوریٰ فی الاسلام، صفحہ ۲۴۳، طبع الاسکندریہ۔

ہمیں وہاں ان کا فیصلہ ایک ایسی جماعت کرے جس میں صرف یہ فقہا اور اسلامی قانون کے ماہرین ہوں۔

مزید یہاں یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ فقہاء اور اصولیوں کا یہ صدیوں سے متفقہ فیصلہ ہے اور اس پر ان کا اجماع ہے اور اس میں کوئی اختلاف منقول نہیں ہے کہ منصب و شرعی یعنی فقہی مسائل میں حکم شرعی کے ادراک کا حق عام آدمی کو نہیں بلکہ صرف مجتہدین کو ہے۔ اور مجتہد کی صفات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ اُسے قرآن وسنت فقہ اور عربی زبان کا انتہائی ماہر ہونا چاہیے۔ اب یہ شرائط شوریٰ یا قومی اسمبلی کے سارے ممبران میں نہیں پائی جا سکتیں، نیز ہمارے زمانے میں چونکہ ان شرائط کے ممکنہ حد تک پائے جانے کا امکان ہے اور ہم استطاعت کی حد تک ہی مکلف ہیں نہ کہ امرِ مثالی کے، صرف جیّد علماء اور اسلامی سکالرز ہی میں ہے۔ لہٰذا اس شرعی اصول کا تقاضا بھی یہی ہے کہ درپیش اجتہادی مسائل کو عام شوریٰ پر نہ چھوڑا جائے بلکہ شوریٰ ہی میں سے فقہا اور اسلامی سکالرز کی ایک جماعت کے یہ کام سپرد کر دیا جائے۔

یہ ایک علمی جواب تھا اس اعتراض کا کہ شوریٰ یا اسمبلی میں اس قسم کی کمیٹی کو

۱؎ اس سلسلے میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ "ایک عام آدمی اجتہاد نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اہلیت نہ رکھنے کی وجہ سے وہ اس کام کے لیے اسی طرح نااہل ہے جس طرح نابالغ بچہ اور فاتر العقل آدمی (المستصفیٰ للغزالی، جلد ۲، ص ۳۸۲، طبع دار المصادر) اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں "اجتہاد کی اہلیت نہ رکھنے والا اگر اجتہاد کرے تو اُس کی حیثیت اس اندھے کی سی ہے جو خود بھی اپنا رستہ نہیں دیکھ سکتا (دوسروں کو کیا دکھائے گا) اس کے باوجود اگر وہ اجتہاد کرے تو گناہ گار ہوگا، حکومت کو چاہیے کہ زبردستی اسے اجتہاد سے روک دے۔ کیونکہ اس طرح نہ صرف وہ اپنی بلکہ دوسروں کی گمراہی کا بھی سامان کرے گا" (الرسالۃ للشافعی صفحہ ۵۰۹ طبع دار التراث، القاہرہ)۔

با اختیار کیوں بنایا جائے۔ اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ایسے مناسب لوگوں کا انتخاب کیسے ہو اور وہ کمیٹی کیسے بنے تو اس کی کئی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک تو یہ کہ الیکشن جماعتی بنیادوں پر ہوں اور متناسب نمائندگی کے تحت ہوں سیاسی جماعتوں کو بتا دیا جائے کہ ان کے نمائندوں کی فہرست میں علماء اور اسلامی سکالرز کے نام ہونے چاہئیں، پھر اسمبلی میں جتنی ہوں گی سیٹوں کے تناسب سے ان سیاسی جماعتوں کے نمائندوں میں سے علماء اور سکالرز پر مشتمل ایک خود مختار کمیٹی بنا دی جائے اور اسمبلی میں ابتدائی بحث کے بعد ہر مسودۂ قانون اس کمیٹی کو بھجوا دیا جائے جس کا فیصلہ آخری ہو، البتہ صدرِ مملکت یا اسمبلی نظرِ ثانی کے لیے اسے مسودۂ قانون واپس بھجوا سکیں لیکن اسے رد نہ کر سکیں۔ کمیٹی کو یہ اختیار بھی ہونا چاہیے کہ وہ نئے مسودہ ہائے قوانین کے علاوہ پہلے سے بنے ہوئے قوانین میں سے غیر اسلامی اجزا نکال کر اُسے نئی صورت دے سکیں۔ سپریم کورٹ کو یہ اختیار دیا جا سکتا ہے کہ اس کمیٹی کے پاس شدہ کسی قانون کو خلافِ اسلام ہونے کی بنا پر کالعدم قرار دے سکے بشرطیکہ اس کے جج اسلامی قوانین کے ماہرین میں سے ہوں۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اگر الیکشن غیر جماعتی ہوں تو جو علماء اور اسلامی سکالرز بھی ایوانِ زیریں میں پہنچیں اُن پر مشتمل یہ خود مختار کمیٹی بنا دی جائے۔ اسی طرح کی ایک کمیٹی ایوانِ بالا میں بھی بنا دی جائے، اختلافِ رائے کی صورت میں دونوں کمیٹیوں کے مشترکہ اجلاس میں کثرتِ رائے سے فیصلہ کر لیا جائے۔ اِس وقت جو لوگ یا جس طرح کے لوگ اسلامی نظریاتی کونسل میں ہیں، ان کو صدر مملکت ایوانِ بالا میں نامزد کر سکتے ہیں۔ اگر ایوانِ زیریں میں اتنے مناسب آدمی نہ ہوں تو شروع ہی سے ایک ایسی کمیٹی بنائی جا سکتی ہے جس میں دونوں ایوانوں سے ارکان لے کر یہ قانونی کمیٹی یا اجتہاد کمیٹی تشکیل دی جائے، لیکن اِس صورت میں کمیٹی کے غالب ارکان کا منتخب شدہ ہونا ضروری ہے اور چیئرمین

بھی انہی میں سے ہونا چاہیے۔

تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اگر ایوانِ زیریں میں خاطر خواہ تعداد میں علماء و اسلامی سکالرز نہ پہنچیں یا ایسے لوگ عام انتخابات کے جھمیلوں میں نہ پڑنا چاہیں یا ایوانِ بالا میں نامزدگی کا طریقہ بعض لوگوں کے نزدیک غیر پسندیدہ ہو تو متبادل صورت یہ اختیار کی جا سکتی ہے کہ ایسے لوگوں کا انتخاب، ایوانِ زیریں اور ایوانِ بالا کے مشترکہ اجلاس میں کر لیا جائے۔

اس طرح کے انتظامات سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ جو لوگ منتخب ہوں وہ با اختیار بھی ہوں اور اہلِ علم بھی۔ وہ اسلامی قانون سازی کے سلسلے میں ایسا کام کر پائیں گے جو مشاورتی ادارے یا عام اسمبلیاں نہیں کر سکتیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

ہماری نئی مطبوعات

۱۔ خورشیدِ رسالت کی پانچ کرنیں	آباد شاہ پوری	۱۸/- روپے
۲۔ یادِ رفتگان	ماہر القادری	۴۲/- ″
۳۔ اسلام میں جرم و سزا	ڈاکٹر عبدالعزیز عامر	۳۳/- ″
۴۔ اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں	امام ابن تیمیہؒ	۱۸/- ″

البدر پبلی کیشنز۔ اردو بازار۔ لاہور